عقلِ وجدانی کے مظاہرات

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

عقلِ وجدانی کی سرگرمی انسان کی زندگی میں ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ انسان کا جذبۂ اندرون ہر دم خارج میں جلوۂ حقیقت کا متلاشی رہتا ہے۔ وہ جہاں کہیں حسن و کمال کی کوئی جھلک دیکھ لیتا ہے یا رفعت و تقدیس کا کوئی مظہر دیکھ لیتا ہے تو اندرونی کشش کے تحت اُس کا متوالا بن جاتا ہے۔ اس کی بزرگداشت بلکہ تقدیس شروع کر دیتا ہے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس پر اس جلوہ کے نقائص ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اس کی شکست و ریخت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ پھر از سرِ نو جلوۂ حق کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی جلوۂ حق اس کا دل لبھاتا ہے۔ پھر کوئی نقص ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بیزار ہو جاتا ہے۔ پھر شکست و ریخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ عقلِ وجدانی کی سرگرمی، تلاش و جستجو، توقیر و تقدیس اور پھر شکست و ریخت کی صورت میں جاری رہتی ہے ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

انسان کے اندرون میں جلوۂ حقیقت کا جو انعکاس موجود ہے وہ اُس کو خاموش بیٹھنے نہیں دیتا۔ وہ اس کو نئی روشنی فراہم کرتا ہے اور پھر وہ نئے جذبے سے تلاش حقیقت کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح عقلِ وجدانی کا سفر جاری رہتا ہے۔ صوفیائے کرام اس کو "سفر در وطن" کی معنی خیز اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسانیت کا قافلہ اوّل روز سے اس سفر پر روانہ ہے۔ اب اپنی اپنی کوشش اور اپنا اپنا ظرف ہے۔ کوئی چند قدم چل کر رہ گیا، کوئی درمیان میں کسی سنگِ راہ پر بھٹک گیا

اور کوئی مسلسل سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس سفر کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

چوں نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوب روئے
تپد آں زماں دلِ من پئے خوب تر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

ایک دوسرے مقام پر وہ کہتے ہیں ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

عقلِ کلی عقلِ استدلالی سے مختلف ہے۔ عقلِ استدلالی کا رُخ خارجی دُنیا کی طرف ہے۔ عقلِ کلی کا رُخ دل کی باطنی دُنیا کی طرف ہے۔ عقلِ تجربانی مادی ماحول کو مسخر کرنا چاہتی ہے، عقلِ تخلیقی جذبۂ اندروں کا ظہور چاہتی ہے۔ وہ باطنی تصورات کے تحت خارجی دُنیا کو حسین و جمیل بنانا چاہتی ہے۔ عقلِ استدلالی مادّی دُنیا پر قاہری کرنا چاہتی ہے۔ عقلِ وجدانی دلبری کرنا چاہتی ہے۔ وہ عرفانِ حق اور تقرب حقیقتِ کبریٰ چاہتی ہے۔ جس طرح خارجی دُنیا کے مظاہرات بے اندازہ اور بے شمار ہیں، اُسی طرح باطنی دُنیا کے عجائبات بھی لامتناہی ہیں، جس طرح خارجی دُنیا میں عقلِ استدلالی کی فتوحات پر ایک عالم محوِ حیرت ہے، اُسی طرح باطنی دُنیا میں عقلِ وجدانی کے کارنامے بھی حیرت انگیز ہیں ؎

عرشِ معلی سے کم سینۂ آدم نہیں
گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہر کبود

عقلِ وجدانی اور استدلالی کے اس تقابل سے کسی شخص کو یہ گمان نہ گزرے کہ یہ ایک دوسرے کی ضد وا قع ہوتی ہیں۔ ایسا گمان کرنا نادانی ہوگا۔ مذکورہ سادہ تقابل محض تفہیم کے لیے ہے، ورنہ اُن کے درمیان باہمی تعاون ہے۔ شعور و ادراک، فکر و فہم کی کسی نوع کی بھی سرگرمی ہو، جب بھی وہ معرضِ ظہور میں آئے گی، جب بھی وہ زبان سے یا قلم سے ظاہر ہوگی، وہ ضرور عقلِ استدلالی کے تعاون سے ظاہر ہوگی۔ عقلِ استدلالی کے اُصول و قواعد کے تحت ظاہر ہوگی۔

منطق کے اُصول کے تحت ظاہر ہوگی، صرف و نحو کے قواعد کے تحت ظاہر ہوگی۔ یہ دونوں ظہور میں آنے کے بعد عقلِ استدلالی کی عالمگیری مسلم ہے۔ در حقیقت ایک سے دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اُن کے درمیان باہمی تعاون ہے۔

عقلِ وجدانی کے مختلف پہلو ہیں اور مختلف انداز ہیں۔ ان کی اثر انگیزی مختلف افراد معاشرہ پر مختلف قوت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے۔ بعض افراد کے اندر جستجوئے حقیقت کا جاذبہ قوی تر ہو جاتا ہے۔ حق شناسی کے تخم میں سازگار ماحول میسر آ جانے کے سبب کر اُبھوٹ نکلتا ہے۔ حقیقتِ کبریٰ کے کسی ایک پہلو پر ان کی نگاہیں مرتکز ہو جاتی ہیں۔ وہ اس پہلو کے شیدا اور متوالے بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی جدوجہد میں بامراد بن جاتے ہیں۔ اُن کا تجسس گوہرِ نایاب سے ہم دست ہو جاتا ہے۔ ایسے چند پہلوؤں کو مثالاً ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ حقیقتِ کبریٰ کا ایک پہلو حق و صداقت ہے۔ صداقت کا مطلب حقیقت سے مطابقت بھی ہے اور واقعیت سے مطابقت بھی ہے۔ مغرب کا یہ دعویٰ کہ صداقت زمان و مکان سے مطابقت کا نام ہے۔ دراصل نارسائی حقیقت کی غمازی کر رہا ہے۔ صدیوں سے انسان اشیاء میں صداقت معلوم کرنے کے درپے ہے۔ مطابقت معلوم کرنے کے لیے کسی معیار اور کسی کسوٹی کا متلاشی ہے، جس پر پرکھ کر اشیاء کی صداقت معلوم کی جا سکے۔ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ کائنات میں واحد صداقت حقیقتِ کبریٰ ہے۔ اس کا ادنیٰ سا پَرتو روزِ ازل فطرتِ انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔ ”ہم نے اس کے (انسان) کے اندر اپنی رُوح پھونک دی“ اس جلوۂ حق سے فیض یاب ہو کر علماء اور حکماء نے کائنات کے اندر معلوم اور سہل معیار معلوم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ باطن میں موجود انعکاسِ حق کے جلوہ سے مستفید ہو کر بالآخر انسان نے علمِ ریاضی اور علمِ منطق کی صورت میں صداقت کی کسوٹی معلوم کر لی۔ علمِ ریاضی میں اعداد کی صداقت معلوم کی جاتی ہے اور علمِ منطق میں اقوال کی صداقت معلوم کی جاتی ہے۔ بلاشبہ صدیوں کی جدوجہد کے بعد یہ دونوں علم پختہ ہوئے ہیں۔

ان دونوں علوم کی اب یہ قدر ہے اور یہ مرتبہ ہے کہ فکرِ انسانی کا کوئی مظہر ہو، ذہنِ انسانی کی کوئی سرگرمی ہو، عقلِ استدلالی کا کوئی انکشاف ہو، جب تک وہ ریاضی اور منطق کے دیے

ہوئے معیار صداقت سے ہم آہنگ اور مطابق نہیں ہے، وہ ہرگز درست نہیں ہے، وہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ دنیا جہاں کے تمام علوم و فنون کے لیے اساس اور بنیاد یہی دو علوم ہیں۔ عالمگیر صداقت کے حامل یہی ہیں۔ دوسرے تمام علوم کے لیے یہ بمنزلہ کسوٹی ہیں۔ دیگر تمام علوم پر ان کی گرفت مسلم ہے۔

یہاں خاص توجہ کی مستحق بات یہ ہے کہ ان دونوں علوم کا منتہی کیا ہے۔ جملہ علوم سائنس اور عمرانیات کا منتہی خارجی مادی مظاہرِ کائنات ہوتے ہیں۔ عقلِ استدلالی ان مظاہرات کا مطالعہ کرتی ہے تجربہ اور تحلیل کرتی ہے، پھر نتیجہ اخذ کرتی ہے، پھر اس کی تعمیم اور تجرید عمل میں آتی ہے۔ اس طرح مختلف علوم مدوّن ہوتے ہیں۔ تمام علوم مادی اشیاء کے مطالعے سے وجود میں آتے ہیں۔ مگر منطق اور ریاضی کے علوم خارجی مظاہرات سے استنباط کردہ نہیں ہیں۔ بلکہ انسان نے اُن کو اپنے ذہن رسا سے استخراج کیا ہے۔ حق و صداقت کی جو جھلک فطرتِ انسانی میں موجود ہے۔ اس کی ضیا پاشی سے یہ علوم وجود میں آتے ہیں۔ یہ علوم انسان نے اپنے ذہن سے استنباط کیے ہیں۔ ان کے لیے محرک کوئی خارجی مظہر کائنات نہیں ہے۔ بلکہ داخلی جذبہ حق و صداقت ہے۔

ان علوم کی صداقت کی عالمگیریت کا یہ حال ہے کہ کرۂ ارضی سے ماوریٰ ماہ و مریخ پر بھی ان کی صداقت مسلم ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مخلوقِ خاکی یعنی انسان کی عقلِ وجدانی کے اختراع کردہ علوم — ریاضی اور منطق کی دسترس سیارگان بلکہ ساری کائنات پر محیط ہے۔ یہ بڑی معنی خیز بات ہے۔ یہاں سے ذہن ایک بہت اہم حقیقت کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ کائنات میں جاری و ساری حق و صداقت صرف نفسِ انسانی کے آئینہ خانہ میں عکس ریز ہوتا ہے۔ خاکی انسان کے ذہن پر خلائی کائنات کے ذہن کا عقیر سا پرتو پڑ چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اس قابل ہو سکا کہ حق و صداقت کا عکس خود اپنے قلبِ مصفیٰ میں دیکھ لے۔ اس کائنات میں خوشنودی کی دولت سے بہرہ مند واحد ہستی انسان کی ہے۔ حق و صداقت کا جلوہ صرف انسان کے نہاں خانۂ دل میں عکس ریز ہوتا ہے۔ مخلوقات میں تشریف و تکریم کا یہ وہ اعلیٰ ترین منصب اور اعزاز ہے جو حضرتِ انسان کو ملا ہے۔ یہ دونوں علوم عقلِ وجدانی کا مظہر ہیں۔

۲ ــــ حقیقتِ کبریٰ کا ایک پہلو خیر و فلاح ہے۔ جو لوگ حقیقت کے اس پہلو سے متاثر ہو جاتے ہیں، بلکہ اس پہلو کے دلدادہ بن جاتے ہیں، اُن کی پھر دُنیا ہی بدل جاتی ہے۔ وہ جود و سخا، ایثار و قربانی، خیرات و صدقات کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ جب کہ ارد گرد کی ساری دُنیا زر پرستی میں مبتلا ہوتی ہے اور منفعت و اغراض کے پیچھے دوڑ رہی ہوتی ہے، یہ سود و زیاں سے آزاد، کسی منافع کے تصوّر سے بیگانہ، کسی خارجی مادّی ترغیب سے بے نیاز محض جذبۂ اندرون کی بنا پر سرگرمِ عمل ہوتے ہیں۔ وہ راہِ خدا میں مخلوقِ خدا پر خرچ کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اس راہ میں بے دریغ دولت صرف کرنے میں انہیں طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا اپنا وظیفۂ حیات بنا لیتے ہیں۔ رضائے الٰہی اور تقربِ الٰہی کی خاطر وہ سب کچھ کر گذرتے ہیں۔ اس راہ میں زر، محنت، صداقت سب صرف کرتے ہیں اور قلبی طمانیت حاصل کرتے ہیں۔ عام دُنیا والے اُن کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ اُن کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ اُن کا مطمحِ نظر عام انسانوں کی رسائی سے بلند تر ہوتا ہے۔ اُن کا طرزِ عمل عقلِ استدلالی کا فراہم کردہ نہیں ہے۔ دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت سے وہ ارفع ہیں۔ ان کا طرزِ عمل دراصل عقلِ وجدانی کا رہینِ منت ہے۔ وہ ظاہر سے بیگانہ اور باطن کے طلب گار ہیں۔ یہ بھی عقلِ وجدانی کا مظہر ہے۔

۳ ــــ حقیقتِ کبریٰ کے عرفان کا جذبہ بعض افراد کے اندر زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ وہ حق کے متلاشی بن جاتے ہیں۔ عرفانِ حق کی کشش ان کے لیے غیر معمولی ہوتی ہے۔ وہ ساری عمر اس تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ یہ تلاش اُن کے لیے مسرت و شادمانی کا سبب ہوتے ہیں۔ درآں حالیکہ دوسرے لوگ اُن کی اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر پاتے اور وہ اُن کی تحقیر کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ کائناتِ رنگ و بُو میں بے حد و شمار تنوع، نیرنگی اور بوقلمونی ہے۔ اس ازدحامِ کثرت و اختلاف و انتشار میں عام انسانوں کی عقل گم اور مبہوت ہو جاتی ہے۔ وہ یہاں نہ کسی نظم و ترتیب کا پتہ چلا سکتے ہیں اور نہ کسی ناظم و صانع کی سراغ رسانی کر سکتے ہیں۔ جو لوگ کثرت کے اِس جنگل میں گم ہو جاتے ہیں، جن کی عقل اس سے آگے نہیں دیکھتی، وہ ہمہ در حقیقت مشرک ہیں، مگر اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی ہوتی ہے جو اس کثرت میں وحدت کی راہ پا لیتے ہیں، جو صانع تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ جو لوگ اس نتیجہ پر عقلِ استدلالی کی مدد سے پہنچتے ہیں وہ حکماء اور فلاسفہ کہلاتے ہیں اور جو لوگ

اس نتیجہ پر عقلِ وجدانی کے ذریعہ پہنچتے ہیں وہ اشراقیین اور صوفیا کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ وحی کی رہنمائی میں یہ سفر طے کرتے ہیں، بس وہ مومن ہیں۔ تصوف عقلِ وجدانی کی سرگرمی سے ہی عبارت ہے۔ یہ بھی عقلِ وجدانی کا مظہر ہے۔

۴ ــــ حقیقت کے تقرّب کا جذبہ بعض افراد میں بہت قوی ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت کے عرفان پر قانع نہیں رہ سکتے۔ ان کا وجدان اسی ذات مجمع الصفات سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس نیرنگ خانۂ رنگ و بو کے پسِ پردہ حقیقتِ کبریٰ تک رسائی چاہتے ہیں۔ وہ اس ذات کا عرفان اور تقرب چاہتے ہیں، جہاں سے فیضان کا سرچشمہ جاری ہے۔ جہاں سے صفاتِ حسنہ ضوفگن ہیں۔ وہ اپنی تمام تر توجہات اور تمام سعی و جہد کا مرکز اس ذات والا صفات کو بنا لیتے ہیں۔ اس تلاش میں وہ سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے ہر قسم کی عبادات اور ریاضیاتِ شاقہ برداشت کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے جذبۂ اندروں کی صدا پر جس کو وہ جذبہ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں، ترکِ دنیا کر دیتے ہیں۔ کوئی دور، کوئی زمانہ ان کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ یہ جوگی، سنیاسی، درویش، قلندر، تارک الدنیا صوفی سب کا تعلق ہے تو اسی گروہ سے، مگر یہ اور بات ہے کہ جذبۂ حق رسی نے ان کو کن کن جھمیلوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کسی معاشرے میں ایسے افراد کا موجود رہنا ہی فطرتِ انسانی میں موجود داعیۂ حق کے لیے ثبوت فراہم کرتا ہے۔ کوئی مردِ معقول اس امر سے انکار نہیں کر سکتا۔ یہ بھی عقلِ وجدانی کا مظہر ہے۔

۵ ــــ شعراء، مصوّر اور فن کار اپنے داخلی احساسات اور کیفیات کو خارج میں ایک نظم اور سلیقہ سے پیش کرتے ہیں۔ یہ مثالِ اعلیٰ کے متلاشی ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ظرف اور مبلغِ علم کی بات ہے کہ کوئی شخص مثالِ اعلیٰ کو پیکرِ محسوس میں تلاش کرتا ہے اور کوئی مادّیت سے ماوراء عالمِ لاہوت میں۔ بہر کیف یہ سب عقلِ وجدانی کا مظہر ہیں۔